ڈاکٹر محمد ریاض

کلامِ اقبال میں تغزل

تغزل یعنی مجازی عشق و محبت کے مختلف مراحل کا اظہار۔ اکثر شعرا کی غزل اور قصیدے کی تمہید نیز کئی دوسرے اصنافِ سخن میں تغزلانی مضامین کی فراوانی دیکھی جا سکتی ہے۔ فارسی اور اردو شاعری میں خصوصاً محبوب کی اداؤں، بے وفائیوں اور معاملہ بندیوں کے بیان میں بے حد زورِ قلم صرف کیا جاتا رہا ہے۔ اقبال ان معدودے چند استثنائی شعرا میں سے ہیں جن کا شعر پیغام اور جن کا ادب زندگی کے لیے مخصوص رہا۔ اس لیے ان کے کلام میں پیش پا افتادہ تغزل کے مضامین کی تلاش عبث ہے۔ ان کی اردو غزل اور دوسرے اصنافِ سخن میں تغزل تقریباً ناپید ہے۔ ہاں ان کی فارسی غزل میں بعض عمدہ نمونے ملتے ہیں، مگر ان کی کوئی ایک غزل یا دو بیتی یا قطعہ یا نظم تماماً تغزل نہیں۔ ایک یا چند بیت تغزل آمیز ہیں اور بقیہ خاص پیغام کے حامل ہیں، گو ان تغزل آمیز اشعار کی حقیقی تعبیر بھی ممکن ہے۔ اقبال کی اُردو اور فارسی غزل یوں بھی شاعرانہ روایات سے متفاوت ہے۔ انھوں نے مردّف یا مقفیٰ مطلع لکھنے کی پروا کی نہ مقطع میں ہر جگہ تخلص لانے کی۔ (اس کے برعکس ان کی نظموں اور دو بیتوں میں ان کا تخلص کئی جگہ موجود ہے!)۔ یہی حال اشعار کی تعداد اور اشعار کی معنوی رنگا رنگی کا ہے۔ ان کی کئی غزلیں مسلسل ہیں اور غزلیاتِ رومی کی طرح ان میں کسی ایک جذبے کا اظہار مختلف اسالیب سے کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں غزل کی زبان بے شک سلیس اور رواں ہے، مگر اس میں مضامین سب ہی آ گئے ہیں۔ وہ تغزل یا حقیقی و مجازی عشق کے اظہار کے لیے مخصوص نہ رہی۔ وہ وسیلۂ پیغام ہے۔ اقبال نے خود کہا ہے:

نہ زبان کوئی غزل کی، نہ زباں سے باخبر میں ___ کوئی دلکشا صدا ہو عجمی ہو یا کہ تازی

حدیثِ بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھ کو ___ نہ کر خارا شگافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا

بایں بہانہ درین بزم محرمے جوئیم ___ غزل سرایم و پیغام آشنا گوئیم

غزل آں گو کہ فطرت سازِ خود را پردہ گرداند ___ چہ آید زاں غزل خوانے کہ با فطرت ہم آہنگ است

در غزلِ اقبال، احوالِ خودی را فاش گفت — زانکہ این نو کافر از آئینِ دیگر آگاہ نیست

مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی — کہ بانگِ صورِ سرافیل دل نواز نہیں

اقبال کے مشاہدہ، نکتہ آفرینی اور منظر کشی کی صلاحیتیں اعجاز نظر آتی ہیں۔ الفاظ اور معانی کا وہ حسین تناسب اور امتزاج کہ اس پر سبحان اللہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ مگر انھوں نے اپنے شاعرانہ جوہر اپنے پیغام کے ابلاغ میں صرف کیے، منظر کشی اور تغزل میں نہیں۔ ابتدائی دور (بانگِ درا حصہ اوّل) میں انھوں نے انگریزی ادب سے منظوم اخذ و اقتباس اور ترجمے کے بعض نمونے پیش کیے۔ ان میں بھی ان کا بیانِ حکمت اور پیغام دیکھا جا سکتا ہے۔ اس دوران آپ حسن کے ناظر تھے۔ یورپ کے قیام کے دوران آپ حسن کے نقاد بنے اور اس کے بعد حسن افروز:

یا حسن ہوں کہ عشقِ سراپا گداز ہوں — کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں (نظم شمع)

مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا — نقش ہوں، اپنے مصور سے گلا رکھتا ہوں میں (عاشق ہرجائی)

بہار برگِ پراگندہ را بہم بربست — نگاہِ ماست کہ بر لالہ رنگ و آب افزود (ساقی)

اردو شاعری میں تغزل

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا، اقبال کی اردو شاعری میں تغزل کے نمونے شاذ ہیں۔ (دراصل خودی، بیداری اور اتحاد و ترقی وغیرہ کے پیغام آور سے تغزل کی توقع رکھنا درست بھی نہیں)۔ بانگِ درا حصہ اوّل (۱۹۰۵ء تک کے کلام) میں داغ کے رنگ کی اس غزل کے چند ابیات معروف ہیں:

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی؟ — مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی؟

تمھارے پیامی نے سب راز کھولا — خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی؟

بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا — تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی؟

تأمل تو تھا ان کو آنے میں قاصد — مگر یہ بتا طرزِ انکار کیا تھی؟

اس غزل کے بقیہ دو شعر دیکھیں۔ مقطع میں کسی قدر تعلّی ہے، مگر دوسرے شعر میں ایک مشہور واقعے کو کس ندرت اور دلپذیر انداز میں بیان کیا گیا ہے:

کھنچے خود بخود جانبِ طور موسیٰ — کشش تیری اے شوقِ دیدار کیا تھی؟

کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا — فسوں تھا کوئی، تیری گفتار کیا تھی؟

بانگِ درا کے اس حصے میں صوفی، ملّا اور واعظ پر طنزیں تو ہیں، مگر تغزل کا کوئی دوسرا نمونہ قابلِ ذکر نہیں۔ دراصل اسی زمانے میں اقبال کو اپنی اُن قومی ذمہ داریوں کا احساس ہوا جنھوں نے بعد میں اُنھیں 'مصورِ پاکستان' اور 'حکیم الامت' بنایا۔ 'شاعر' کے عنوان سے یہ قطعہ اسی زمانے کا لکھا ہوا ہے:

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم — منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت، چہرۂ زیبائے قوم — شاعرِ رنگین نوا ہے، دیدۂ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ — کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

کتابِ مذکور کے دوسرے حصّے کی غزلیات (قیامِ یورپ کے دوران کا کلام ۱۹۰۸ء تک) میں تغزل کا ایک شعر بھی نہیں۔ دراصل اس زمانے میں اقبال "وطنیت" سے گزر کر "ملیت" کی منزل میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ اب برصغیر کے مسلمانوں اور دوسرے باشندوں کے ہمدرد اور دلسوز رہتے ہوئے تمام مسلمانانِ عالم کی آزادی اور بیداری کے نقیب بھی بن گئے تھے۔ اسی دوران کی ایک غزل میں ان کا عزم جزم یوں بیان ہوا ہے:

سفینہ برگِ گل بنالے گا، قافلہ مورِ ناتواں کا — ہزار موجوں کی ہو کشاکش، مگر یہ دریا سے پار ہوگا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن، یہاں کے آزاد پا بگل ہیں — تو غنچے کہنے لگے، ہمارے چمن کا یہ رازدار ہوگا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے — میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو — شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہوگا

بانگِ درا کا حصہ سوم بھی تغزل سے تقریباً خالی ہے۔ ایک غزل کا مطلع ہے:

پھر بہادِ بہار آئی، اقبال غزلخواں ہو — غنچہ ہے اگر گل ہو، گل ہے تو گلستاں ہو

مگر اس غزلِ بہاری میں نئے عزائم کی خاطر شاعر نے اپنے آپ سے مسلسل خطاب کیا ہے اور بس۔

بالِ جبریل اور ضربِ کلیم کے زمانے کا شاعرِ مشرق، تغزل کی طرف کیسے متوجہ ہوتا؟ اُسے اب لالہ کے حسن سے نہیں، اس کے 'سوزِ جگر' سے واسطہ ہے۔ ستارے کی چشمک زنی میں اسے محبوب کی ادائیں یاد نہیں آتیں، وہ اسے بیداری کا اشارہ قرار دیتا ہے۔ وہ اب حسیناؤں کو حنا (مہندی) کی بجائے خونِ جگر کی پیش کش کرتا ہے:

چمن میں رخصتِ گل شبنم سے تر ہے — سمن ہے، سبزہ ہے، بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم — یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے

تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے — نہیں بیدار کرتا تجھے غمزۂ ستارہ

پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی؟ — باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں

تغزل سے قطع نظر، شاعر کی نگاہ کا عمق اور اس کی منظر کشی کی صلاحیت اب بانگِ درا سے بھی کہیں زیادہ سحر آفریں ہے، مثلاً

بہار و قافلۂ لالہ ہائے صحرائی — شباب و مستی و ذوق و سرور و رعنائی
اندھیری رات میں یہ چشمکیں ستاروں کی — یہ بحر، یہ فلکِ نیلگوں کی پہنائی
سفرِ عروسِ قمر کا عماریِ شب میں — طلوعِ مہر و سکوتِ سپہرِ مینائی
نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں — کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن — مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار — اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن
برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح — اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن
حسنِ بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے — ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار — ارم بن گیا دامنِ کہسار
گل و نرگس و سوسن و نسترن — شہیدِ ازل، لالہ خونیں کفن
جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں — لہو کی ہے گردش رگِ سنگ میں
فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور — ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور
وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی — اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی — بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ — پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقیِ لالہ فام — سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز — کہ آتی نہیں فصلِ گل، روز روز

"بالِ جبریل" میں خالص تغزل کے مجھے صرف دو شعر یاد ہیں :

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر
تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ وہ ادب گہِ محبت، وہ نگہ کا تازیانہ؟

فارسی شاعری میں

مولانا شبلی نعمانی کی فارسی شاعری کی طرح اقبال کی فارسی شاعری بھی تغزل سے خاصی مالامال ہے۔ مولانائے موصوف کی اردو شاعری بیشتر قومی نظموں اور تاریخ اسلام کے بعض واقعات کے منظوم بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں تغزل سرے سے مفقود ہے۔ البتہ کچھ بہاریہ اور توصیفِ حسن کے اشعار ضرور مل جاتے ہیں۔ ان کی فارسی شاعری میں بھی یہ سب کچھ ہے مگر غزلیں سراپا تغزل ہیں۔ اقبال کی فارسی غزل اور اس زبان کے دیگر اصنافِ سخن میں ان کے سارے ہی دلپذیر موضوعات ملتے ہیں، مگر تغزل بھی آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ دراصل اسی تغزل کی چاشنی نے فارسی زبان حضرات کو اُن کے کلام سے مانوس کیا، اور اب وہ ان کے پیغام کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اقبال کا استحسانِ حسن، ان کا تغزل اور ان کے تلازماتِ غزل، اکثر شاعروں سے مختلف ہیں ـــ پروانے کے عشق کی انھوں نے بھی تعریف کی، مگر وہ چوں کہ دوسرے (شمع) کی حرارت کا عاشق ہے، اقبال اس پر کہ مکِ شب تاب (جگنو) کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ مونث الذکر کی روشنی کو اپنی ہے۔ گلِ لالہ اپنے داغِ جگر کی بنا پر ان کا محبوب پھول ہے، مگر وہ نہ خود جلتا ہے نہ دوسروں کو سوزِ جگر دے سکتا ہے۔ اس لیے وہ بھی صوری محبوب ہی رہا۔ حسین، مظہرِ حسنِ ازلی ہیں۔ ان کی دید جذبہ و عشق کی افزائش کا باعث بنتی ہے، مگر ان سے وابستگی، دل کی امارت اور خودی کا ضعف ہے۔ اس لیے اصولی طور پر اقبال اپنے دورِ پختگی میں نہ حسن و حسینوں کے دلدادہ ہو سکتے تھے، نہ دیگر مظاہرِ زیبائی کے عاشق۔ فرماتے ہیں :

مرا فرمود پیرِ نکتہ دانے ہر امروزِ تو از فردا پیام است
دل از خوبانِ بے پروا نگہدار حریمش جز باو دادن حرام است
مثالِ آئینہ مشو محوِ جمالِ دگراں از دل و دیدہ فروشوے خیالِ دگراں

ایک جملۂ معترضہ اور بھی لکھ دیں : اقبال کو خودی کے استحکام و حفاظت کی خاطر حسنِ ازلی کی شدید تر تجلیات سے بھی احتراز ہے :

اگر نظارہ از خود رفتگی آرد، حجاب اولیٰ نگیرد با من ایں سودا، بہا از بس گراں خواہی

نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست — جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست

تھا "ارنی" گو کلیم، میں ارنی گو نہیں — اس پہ تقاضا روا، مجھ پہ تقاضا حرام

ای کہ نزدیک تر از جانی و پنہان ز نگہ — ہجرِ تو خوشترم آید ز وصالِ دگران

مئے باقی (غزلیات پیامِ مشرق)

اس سلسلے کے تغزل کے اشعار، کتاب کی ترتیب کے مطابق حسبِ ذیل ہیں۔ (بعض اشعار میں حسن کے ماحول کی توصیف ملتی ہے) :

حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں — دلبراں، زہرہ وشاں، گل بدناں، سیم براں

در چمن قافلۂ لالہ و گل رخت کشود — از کجا آمدہ اند این ہمہ خونیں جگراں ؟ (غزل ۲)

بر سرِ بام آ، نقاب از چہرۂ بے باکانہ کش — نیست در کوئے تو چوں من آرزومندے دگر

بسکہ غیرت می برم از دیدۂ بینائے خویش — از نگہ با قم بہ رخسارِ تو روبندے دگر

یک نگہ، یک خندۂ دزدیدہ، یک تابندہ اشک — بہرِ پیمانِ محبت نیست سوگندے دگر (۳)

جادہ زخونِ رہرواں، تختۂ لالہ در بہار — نازِ کہ راہ می زند، قافلۂ نیاز را ؟

دیدۂ خوابناکِ او گر بہ چمن کشودہ — رخصتِ یک نظر بدہ، نرگسِ نیم باز را (۶)

بیا کہ ساقیِ گل چہرہ دست بر چنگ است — چمن زبادِ بہاراں، جوابِ ارژنگ است

حنا زخونِ دلِ نوبہار می بندد — عروسِ لالہ چہ اندازہ تشنۂ رنگ است (۸)

ہوای فردیں در گلستاں میخانہ می سازد — سبو از غنچہ می ریزد، ز گل پیمانہ می سازد (۱۰)

از ما بگو سلامے آن ترکِ تند خو را — کآتش زد از نگاہے یک شہر آرزو را

این نکتہ را شناسد آن دل کہ دردمند است — من گرچہ توبہ گفتم، نشکستہ ام سبو را (۱۱)

کو آن نگاہِ نازکہ اوّل دلم ربود — عمرت دراز باد ہمان تیرم آرزوست (۱۵)

باز بہ سرمہ تاب دہ چشمِ کرشمہ زاے را — ذوقِ جنوں دوچند کن، شوقِ غزل سراے را (۲۰)

حسرتِ جلوۂ آن ماہ تمامے دارم — دست بر سینہ، نظر بر لبِ بامے دارم (۲۲)

ای جانِ گرفتارم، دیدی کہ محبت چیست؟ — در سینہ نیاسائی، از دیدہ بروں آئی

برخیز کہ فردیں افروخت چراغِ گل — برخیز و دمے بنشیں با لالۂ صحرائی (۲۶)

بیا کہ بلبلِ شوریدہ نغمہ پرداز است عروسِ لالہ سراپا کرشمہ و ناز است (۳۵)

مندرجہ بالا بعض اشعار میں فارسی شاعری کی روایات کے مطابق ہی کافی شان جلوہ گر ہے خصوصاً تیسرے، پانچویں، پندرھویں اور سترھویں شعر میں، جنھیں کسی مصور کا موئے قلم بھی اس سے بہتر اجاگر نہیں کرسکتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مصوری، شاعری سے مات کھا جاتی ہے۔

"زبورِ عجم" کے بعض تغزل آمیز اشعار

اقبال نے "بالِ جبریل" میں کہا ہے:

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں

"زبورِ عجم" اقبال کی فارسی غزل کا نقطۂ عروج ہے۔ اس میں فلسفہ و شعر کا بے حد حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ (اس کتاب کے بعد اقبال نے فارسی میں چند غزلیں ہی لکھی ہیں!)۔ یہاں ہم اس کے دونوں حصوں کے بعض تغزل والے اشعار (بترتیبِ کتاب) نقل کرتے ہیں:

دی مغبچہ با من اسرارِ محبت گفت اشکے کہ فرو خوردی از بادۂ گلگوں بہ

از چشمِ ساقی، مستِ شرابم بے مے خرابم، بے مے خرابم

شوقم فزوں تر از بے حجابی بینم نہ بینم، در پیچ و تابم

یاد ایامی کہ خوردم بادہ ہا با چنگ و نَے جامِ در دستِ من، مینائے مے در دستِ وی

آنچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام دانی کہ چیست؟ یک چمن گل، یک نیستاں نالہ، یک خمخانہ مے[۵۱]

فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بے قرار را یک دو شکن زیادہ کن، گیسوئے تابدار را

بحرفی می تواں گفتن تمنائے جہانے را من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

ز مشتاقاں اگر تابِ سخن بردی نمی دانی محبت می کند گویا نگاہِ بے زبانے را

تو ہم بہ عشوہ گری کوش و دلبری آموز اگر ز ما غزلِ عاشقانہ می خواہی

دگر آمادہ دلبہائے یار، نتواں گفت نشستہ بر سرِ بالینِ من، ز درماں گفت

---

۵۱ اس شاہکار مصرع کی ترکیبوں کو (خصوصاً بزمِ شوق اور یک چمن گل) ایران اور پاکستان سے شائع ہونے والے بعض مجلّوں، مقالوں اور کتابوں کا نام بنایا گیا ہے۔

ہر نگاری کہ مرا پیشِ نظر می آید خوش نگارے ہست ولے خوشتر ازاں می بایست[۵۲]

اس کتاب میں سے معنوی عشق پر مشتمل دو غزلوں کا انتخاب بھی ملاحظہ ہو - پہلی خدا کے ساتھ انسان کی محبت کی مظہر ہے اور دوسری خدا کی اپنی مخلوق کے ساتھ وابستگی کی :

خوشتر ز ہزار پارسائی گامے بطریقِ آشنائی
در سینۂ من دمی بیاسائی از محنت و کلفتِ خدائی
ما را ز مقامِ ما خبر کن مائیم کجا و تو کجائی
آن چشمکِ محرمانہ یاد آر تا کے بہ تغافل آزمائی ؟

ما از خدای گم شدہ ایم ، او بجستجوست چوں ما نیاز مند و گرفتارِ آرزوست
گاہے بہ برگِ لالہ نویسد پیام خویش گاہے درونِ سینۂ مرغاں بہ ہاؤ ہوست
در نرگس آرمید کہ بیند جمالِ ما چندان کرشمہ داں کہ نگاہش بہ گفتگوست
آہے سحر گہی کہ زند در فراقِ ما بیرون و اندروں ، زیر و زبر و چار سوست
ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکئے نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بوست

---

۵۲ ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں دیکھیے کہ اب ٹھہرتی ہے جا کے نظر کہاں (حالی)

مجمع البحرین : (شیعہ سنی متفق علیہ احادیث) : از مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

یہ کتاب وحدتِ امت کی طرف ایک اہم قدم ہے - اس میں وہ احادیث و روایات جمع کی گئی ہیں جو شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان متفق علیہ حیثیت رکھتی ہیں - شروع میں علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد کا تعارف و تبصرہ اور علامہ نصیر الاجتہادی کی تقریظ ہے -

صفحات : ۲۸ + ۲۲۲ قیمت : -/۹ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ، کلب روڈ لاہور